باب ششم

اقبال کی فطرت نگاری کا تنقیدی جائیزہ

اردو میں فطرت نگاری پر گزشتہ ابواب میں جو بحث کی گئی اور اردو انگریزی اور فارسی میں فطرت اور فطرت کے مظاہر پر شاعروں نے جو کچھ لکھا ہے اس پر کہیں اختصار اور کہیں کہیں تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے ۔ شعراء نے کارخانہ قدرت کو کس نظر سے دیکھا اور کہاں کہاں وہ قدرت کی بے مثال کاریگری سے متاثر ہوئے ہیں ۔ اس کی طرف بھی گزشتہ صفحات میں توجہ کی گئی ۔ یہ بات اب بڑی حد تک واضح ہوچکی ہے کہ اردو کے اکثر و بیشتر شعراء فطرت کے نہ صرف مداح بلکہ اکثر مبتنی ہو فطرت کے پرستار بھی رہے ہیں ۔ انھوں نے اپنے ذہن اور فکر کی وسعت کے مطابق اظہار خیال کیا ہے ۔ فطرت کو اپنے فن کے سانچے میں ڈھالا ہے ، موزوں اور مربوط لفظوں ، خوبصورت کنایوں اور تلمیحوں سے فطرت کے ہر رنگ کا ایک الگ ، نیا اور نرالا رنگ ترتیب دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان قوتوں کا ذکر بھی کیا ہے جو کارخانۂ قدرت کے پیچھے کارفرما نظر آتی ہیں ۔

فطرت کا مشاہدہ اور مطالعہ صرف ایک شاعر یا تخلیق کار کے لئے ہی ضروری نہیں بلکہ ہر دیدۂ بینا رکھنے والے کے لئے ضروری ہے ۔ یہ مطالعہ آدمی کو اس حقیقت کے ادراک میں مدد گار ثابت ہوتا ہے جو اس کائنات کی تخلیق کے عمل کے پس منظر میں کار فرما ہے ۔ فطرت کا مطالعہ ہم دو طریقوں سے کر سکتے ہیں ایک سائنسی طریقہ ہے اور دوسرا مابعد الطبیعاتی مقالے کے ابتدائی صفحات میں میں نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ پہلے طریقے کی ماہیت کا تعلق بالکل خارجی ہے یعنی ایک سائنسداں فطرت کے اجزاٗ یا اشیاٗ کا تجزیہ سائنسی آلات کی مدد سے انجام دیتا ہے ۔ چنانچہ وہ تجزیے اور تجربے کے عمل سے ٹھوس نتائج اخذ کرتا ہے ۔ اس مطالعے کا تعلق عقل ، ذہانت ، محنت اور تحقیق سے ہے ۔ اس کا تعلق سائنسداں کی تجربہ گاہ سے بھی ہے جہاں وہ اپنا وقت صرف کرتا ہے ۔ فطرت کے خارجی مطالعے سے ہٹ کر ہم اس کا داخلی مطالعہ مشاہدہ اور معائنہ بھی کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ یہ مطالعہ مابعد الطبیعاتی نوعیت کا ہوسکتا ہے ۔ اس کا تعلق عقل و دانش کی بجائے جذبے اور وجدان سے ہے ۔ کانٹ نے عقل کو ایک بہت بڑی قوت قرار دیا ہے لیکن برگساں نے وجدان کی بے پناہ قوتوں اور امکانات کا جائزہ لیا ۔ ہم وجدان کی مدد سے ایسی بہت ساری پوشیدہ قوتوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جو بظاہر ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ شاعر جب فطرت کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس کے دونوں پہلوؤں کو (داخلی اور خارجی) مدّ نظر رکھتا ہے ۔

جہاں تک اقبال کی فطرت نگاری کا تعلق ہے اس میں قاری کو دونوں پہلو نظر آتے ہیں ۔ اقبال بیک وقت ہماری نگاہوں کو فطرت کے ظاہر کی طرف اور پھر اسکے باطن میں چھپی خوبیوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں ۔ وہ ہمیں فطرت کے خارجی اور داخلی حیثیتوں کو سمجھنے ، جاننے اور محسوس کرنے کی دعوت دیتے ہیں ۔ اس دعوت کے پیچھے اقبال کے یہاں ایک دوسرا جذبہ بھی ہے کہ انسان فطرت کے ذریعے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اسی معرفت سے وہ حیات ابدی کی اس منزل تک پہنچ سکتا ہے جو انسان کا اصل منتہا ہے ۔

اقبال نے فطرت کے مقابلے میں انفرادیت کو ایک اعلیٰ ترین تصور کے طور پر پیش کیا ہے ۔ فرد جب اپنی مخفی قوتوں کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ خارجی مظاہر پر اپنی گرفت مضبوط کر لیتا ہے ۔ چنانچہ خارجی عالم یا فطرت خودی کے لئے وہ مواد فراہم کرتی ہے جس سے اسکی پرورش اور تکمیل ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خارجی عالم کے شعور کے بغیر اپنی ذات کا شعور اور ادراک ممکن نہیں ۔ عالم اور خودی ایک دوسرے پر نہایت پر اسرار طریقے سے اثر انداز ہوتے ہیں ۔ فطرت کے جلوؤں کی رنگا رنگی ایک فن کار کے دل میں جب اپنا عکس ڈالتی ہے اور اسکے جذبوں میں حل ہوکر اظہار چاہتی ہے تو اس وقت دراصل وہ اپنے وجود کی منزل کو پالیتی ہے ۔ فطرت کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک اہل نظر کو اپنی طرف مائل کرے اور اسکی مشہود بنے تاکہ وہ اپنے جمال کے اثر کو اس کے

ذریعے سے ظاہر کر سکے ۔ فطرت اس وقت تک حسن سے عاری رہتی ہے جب تک کہ انسانی نظر اس میں جمال آفرینی نہ کرے ۔ شام کے وقت شفق میں اس وقت دلکشی آجاتی ہے جب کوئی صاحب نظر اسے دیکھکر جھوم اٹھتا ہے اور شفق کی لالی میں کھو جاتا ہے ۔

ایک شاعر اور فنکار فطرت کے تضادات کو رفع کر کے ان میں ایک ربط تلاش کرتا ہے جب وہ اپنے تصورات اور تضادات میں ربط و ضبط نظم پیدا کرتا ہے تو عالم کو بھی اپنے ذہنی نظم و ضبط سے وابستہ کر لیتا ہے ۔ وہ ایک ایک کر کے ان سب رکاوٹوں کو دور کرتا ہے جو فطرت کے اظہار کے راستے میں حائل ہوجاتی ہیں ۔ فطرت بے صورت ہے شاعر اسے صورت عطا کرتا ہے ۔ وہ فطری حقیقت کو آزاد کر کے اور اس میں اپنی فکر کی تیزی سے نزاکت پیدا کرتا ہے ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے شاعر اور فطرت کا تجزیہ بڑی عمدگی کے ساتھ کیا ہے موصوف لکھتے ہیں :

" شاعر فطرت کی ہر ادا کا نقطہ دان ہے کبھی وہ اپنے ذہن اور ارادے کی بدولت اپنے آپ کو اس سے بالکل علاحدہ تصور کرتا اور اپنی زندگی کا مقصد یہ سمجھتا ہے کہ فطرت پر تصرف اور استیلا حاصل کرے ۔ فطرت اس کے مقاصد کا ایک وسیلہ ہے وہ اس کی تسخیر میں جس

قدر سعی و جہد کرتا ہے اسی قدر اپنی شخصیت کی
تکمیل کا سامان بہم پہنچاتا ہے اگرچہ کائینات اپنی
وسعت کے اعتبار سے بے پایاں ہے اور انسان اس کے
مقابلے میں حقیر اور ذرا سا معلوم ہوتا ہے اور اس کی
تاریخ دوران کائینات کے گرد و غبار کے ایک ذرّے سے
زیادہ نہیں ۔ لیکن باوجود اسکے انسان کو ناز ہے
کہ جو یہ چیز اسکے پاس ہے اس سے اسکا حریف
محروم ہے یعنی ذہن فعال ۔ انسان فطرت کے مقابلے
میں چاہے کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو لیکن وہ ایک با شعور
ہستی ہے اور فطرت شعور و احساس سے محروم ہے ۔[1]

اقبال کے نزدیک فطرت کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کی خودی کو استوار کرے ۔ فطرت اسراہ میں کبھی کبھی رکاوٹیں بھی ڈال سکتی ہے لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ ان موانع کو پوری قوت کے ساتھ دور کرے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے فطرت پر غلبہ پائے ۔ اقبال کے نزدیک خودی ایک وسیع اصطلاح ہے جس کے کئی معانی ہیں اور یہ انسان کا کام ہے کہ وہ کس تناظر اور کس معنی میں اسے برتے ۔ خودی سے مراد معرفت ذات اور عرفان نفس ہے ۔ یہی وہ خصوصیات

---

1. یوسف حسین خان ـــ روح اقبال ـــ ص 44 ـــ غالب اکاڈمی ۔ نئی دہلی

ہیں جن کے توسط سے فرد اس دنیا میں افلاکی بن جاتا ہے ۔ وہ کارخانۂ قدرت میں ایک بے اندازہ طاقت کے طور خودی کی قوتوں سے ابھر سکتا ہے ۔ خدا کی کبریائی کے جلوے اسے قدم قدم پر نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ وہ غیر کے سامنے جھکنے خم ہونے اور سجدہ ریز ہونے کا کبھی نام نہیں لیتا ہے ۔ فرد اقبال کے نزدیک خودی کے ربط و ضبط سے قائم ہے اور اس کے بغیر اسکا وجود ہی بے مقصد ہے ۔ فطرت اور خودی اقبال کے نزدیک اگرچہ دو متضاد الفاظ ہیں لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ بھی ہیں ۔ فطرت اگر کبھی کبھار سنگ راہ بنتی ہے لیکن خودی راستے کے پتھروں کو توڑ پھوڑ کر آگے جانے ، منزل کو پالینے اور دنیائے رنگ و بو میں ایک وقار پیدا کرنے کی ضامن ہے ۔ اقبال یقیناً فطرت کے شیدائی تھے ، ایک ایسے شیدائی جنہیں فطرت کے ساتھ ذہنی ، فکری اور قلبی لگاؤ تھا ۔ جن کی تربیت خدا پرستی کے ماحول میں ہوئی تھی اور جنہیں کارخانۂ قدرت کے ہر رنگ میں خدا کا ظہور نظر آتا تھا ۔

اقبال کو کارخانۂ فطرت میں ہر لمحے ایک زبردست تبدیلی جلوہ گر واقع ہوتی نظر آتی تھی ۔ یہ تبدیلی کبھی نمودار اور کبھی پوشیدہ نظر آتی ہے ۔ اسی تبدیلی سے اس دنیا میں ایک حسن قائم ہے اور اگر یہ اس دنیا میں واقع نہ ہوجائے تو اس کا حسن نامکمل رہ جاتا ہے ۔ سکون کی کیفیت کبھی بھی اس دنیا میں ممکن نہیں صرف ایک چیز ہے جسے تغیّر کہتے ہیں وہ ثابت ہے اور ہمیشہ اسی تغیّر کے ذریعے یہ دنیا قائم و دائم ہے ۔ تغیّر سے مراد فطرت کی وہ ساری تبدیلیاں ہیں

جو ہر روز اور ہر لمحے ہماری نگاہوں کے سامنے رونما ہوتی ہیں ۔ سورج کا طلوع و غروب ، چاند کا گھٹنا اور بڑھنا ، تاروں کا ٹمٹمانا ، ہواؤں کا چلنا اور درختوں کے پتّوں کا ہلنا اس ہمہ گیر تغیّر کے پرتو ہیں جو ہمیں اس دنیا میں نظر آتے ہیں ۔ فطرت ان تمام پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئی ہے اور اگر یہ عمل رک جائے تو دنیا کا نقشہ ہی بدل کر رہ جائے ۔ اقبال کو کارخانۂ قدرت میں سکون کہیں بھی نظر نہیں آتا ۔ یہ ہر دم تغیّر پزیر ہے اس میں اگر کسی چیز کو پائیداری اور دوام حاصل ہے تو وہ صرف تغیّر ہے :

سکون محال ہے قدرت کے کار خانے میں
ثبات اک تغیّر کو ہے زمانے میں

مشاہدۂ فطرت کے لئے اقبال کے نزدیک بصیرت کا ہونا لازمی ہے جب تک دل دنیائے کائنات کی ماہیت ، خاصیت اور خصوصیتد کو نہیں دیکھتا اور پرکھتا ہے تب تک ان کی حقیقت سے بہرہ مند ہونا ممکن ہی نہیں ۔ اقبال اس کے لئے نور بصیرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی ایسا نور جو صحیح معنوں میں فطرت کو محسوس کرے اس کی خاصیتوں کا ادراک کر سکے اور اس کا مشاہدہ انسان کو روحانی طور فیضیاب کرے ۔ فطرت سے متعلق مختلف سوالات اقبال کے ذہن کو بانٹ کرتے رہے ہیں مثلاً فطرت کیا ہے ؟ اس کے کیا مقاصد ہیں ؟ اور اس کی منزل کیا ہے وغیرہ وغیرہ اس نوع کے سوالات نے کئی دوسرے شعراء کے اذہان کو بھی جھنجھوڑا ہے ۔ مگر اقبال نے فطرت اور مظاہر فطرت کی

کی موقع کشی کے سلسلے میں ایک مخصوص اور منفرد رویہ اختیار کیا ہے جو انہیں دیگر شعراء سے تمائیز کرتا ہے ۔ مرد مومن کی تعریف میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ مومن فطرت کے مقاصد کا محافظ ہے :

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن [1]

اقبال کے نزدیک مومن اس کارخانہ فطرت کا بڑی باریک بینی اور تیز نگاہی کے ساتھ مشاہدہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کی نگاہ ظاہر کے بجائے اس کے باطن پر جاتی ہے ۔ وہ نار جی حالات کے بجائے داخلی کیفیات پر نگاہیں مرکوز کرتا ہے ۔ وہ درون خانہ ہنگاموں کو محسوس کرتا ہے ۔ یہ نظر جب جاکے پیدا ہوتی ہے جب اسے بصیرت و بینائی اور روشنی میسر ہوچکی ہو ۔ اس بصیرت و بصارت سے انسان قدرت اور فطرت کے مقاصد سے آگاہ اور اپنے معبود کی حقیقت سے آشنا ہوجاتا ہے ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان اس ضمن میں رقمطراز ہیں :

---

1. اقبال ـــ کلیات اقبال ـــ ص 522 ، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس ۔ دہلی 2

"انسانیت کا صد ہا سال کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسانی ذہن
کو فطرت سے ہم آہنگ کرنے کا ایک موثر ذریعہ ذات باری
کا یقین ہے ۔ تصور باری در اصل اصول آزادی سے عبارت ہے
جس کی وجہ سے انسان کے آگے اختیار و انتخاب کی راہیں
کھل جاتی ہے اور وہ فطرت کو اپنے اشارۂ چشم و آبرو پر
چلانے لگتا ہے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسانی شعور کے پیدا
ہونے سے کروڑوں برس پہلے کائنات موجود تھی ۔ اس لئے
ہم انسانی شعور کو اس کا خالق نہیں کہہ سکتے جیسا کہ
تصوریت کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے ۔ شعور کی منزل تک
پہنچنے سے پہلے کائنات کو کن کن جوکھوں میں گزرنا پڑا ۔
اس کا ہمیں علم نہیں ۔ یہی خالق ارتقاء ذات بازی تعالیٰ
ہے جو انسان اور کائنات سے ماوراء بھی ہے اور وابستہ بھی ۔
بالکل اسی طرح جیسے انسان کی ذات فطرت سے وابستہ
بھی ہے اور ماوراء بھی ۔" [1]

اقبال اپنے نظریۂ خودی کے ذریعے کائنات، خدا، انسان اور فطرت کے رشتوں
کا شعور فراہم کرتے ہیں ۔ اس فلسفے کے پس پشت اقبال کا تدبر اور تفکر شامل ہے ۔

---

[1] یوسف حسین خان ـــ روح اقبال ـــ ص 358
ناشر غالب اکاڈمی، نئی دہلی

اور ان کے سالہا سال کے تجربات کا نچوڑ ہے ۔ یہاں بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ فطرت اقبال کی نظر میں کہاں کہاں پر ہمیں خودی کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے ۔ خیر ۔ جب کائنات کے حقائق سمجھتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت بڑی پیچیدہ اور حوصلہ شکن ہے اسکی سیرت ، تغیر اور تبدیلی ہے ۔ یہ ایک دائمی سلسلۂ انفعال اور ہمیشہ ہوتے رہنے کی کیفیت ہے جب کوئی چیز اپنے انجام کو پہنچتی ہے تو تغیر اس پر اپنے نئے غلاف چڑھاکر اس کی صورت بدل دیتا ہے ۔ دنیا ہر آن بدل رہی ہے اسے ایک لمحے کےلئے بھی سکون میسّر نہیں ۔ ہر لمحہ گویا ذریعہ ہے مظاہر فطرت کو از سر نو ترکیب اور صورت عطا کرنے کا ۔ اقبال کے نزدیک تغیر کی اس کےل علاوہ اور کوئی وضاحت نہیں لیکن یہ شان اس وقت ظاہر ہوجاتی ہے جب ذات ، صفات اور خصوصیات کا جامہ پہن کر اپنی وحدت کثرت میں تبدیل کرتی ہے ۔ اسی تبدیلی کے نتیجے میں ہم فطرت کی رنگا رنگی اور گہما گہمی کو سمجھ سکتے ہیں ۔ اقبال کے خیال میں اسے سمجھنے کےلئے شاہین کا جگر اور عقاب کی نظر درکار ہے ۔ یہ نہ ہوں تو خالی نگاہیں شئے کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی ہے ۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت نہ سمجھے وہ نظر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا [1]

اقبال نے ذہن اور فطرت کی دوئی کے نظریات کے متعلق اپنی ایک علاحدہ راہ اختیار کی ۔ باوجود فلسفہ خودی کا علمبردار ہونے کے وہ خارجی عالم کی حقیقت سے انکار نہیں کرتے ۔ انفس و آفاق اپنی اپنی جگہ حقیقی ہیں ۔ فطرت کے معروضی وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہاں مادّیت کے ماننے والوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مادّہ مکاں میں واقع ہے حالانکہ حقیقت میں وہ حرکت پزیر حادثوں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہے ۔ فطرت کے ان حوادث اور تغیرات کا علم حاصل کرنے کے بعد ہی انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ روحانی زندگی کا احساس کر سکے ۔ دنیا کی تبدیلیوں سے انسان کی فطرت بھی نئے ماحول سے مطابقت سیکھتی ہے جو اس کے ارتقاء کے لئے از بس ضروری ہے ۔ خدا اپنی نشانیاں نفس انسانی اور عالم فطرت دونوں کے ذریعے ظاہر کرتا ہے ۔ قرآن میں اسی لئے درج ہے کہ تمہارے نفوس کے اندر خدا کی نشانیاں ہیں اور کیا تم نہیں دیکھتے ہو ۔ [2] یہ دونوں انسانی تجربے کے زبردست حقائق ہیں خود انسان کا تجربہ امتزاجی

---

1. اقبال ـــ کلیات اقبال ـــ ص 580 ـــ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دہلی
2. سورہ ذاریات ـــ آیت نمبر ۲۱

رنگ لئے ہوئے ہے ۔ اسکی وحدت میں کثرت موجود رہتی ہے ۔ انسان کو اپنی ذات اور عالم فطرت کا جو دائمی احساس ہے وہ محض دھوکا یا فریب نہیں کہا جا سکتا بلکہ ایک ایسی حقیقت جو حقائق کی بازگشت ہے ۔ مادی عالم کے خواص وزن ، جسامت ہیں اور طبیعات کے قوانین کا پابند ہے ۔ زندگی مادیت سے علاحدہ بھی ہے اور اس میں سرایت کئے ہوئے بھی ۔ آگہی اور شعور کے وجود میں آنے سے انسان کی آزادی کی ابتداء ہوئی اور وہ دور ختم ہوا جب وہ مجبور محض تھا اور طبیعی قوانین کے ایک کھیل سے زیادہ اسکی حیثیت نہ تھی انسان کی شکل میں پہلی مرتبہ زندگی اس منزل پر پہنچتی ہے جسے ذہن سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کی خصوصیت خودی یا شعور ذات ہے ۔ ارتقائے زندگی کا مقصد یہ ہے کہ زندگی مادے سے بلند ہوکر اخلاق اور روحانی مقاصد کو فروغ دے ۔ زندگی اور ذہن ایک ہی چیز ہے ۔ اس میں نئی خواہشوں کے تحت ہر لمحہ تغیر ہونا ضروری ہے ۔ اس مستقل عمل کی وجہ سے اسکی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سفر میں رہے اور منزل پر کبھی نہ پہنچے ۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی

بہت اس نے دیکھے ہیں پست بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھکر پسند
سفر زندگی کے لئے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز[1]

اس سفر کے دوران میں زندگی پستیوں سے بھی گزرتی ہے اور بلندیوں پر سے بھی ۔ بعض اوقات وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں ۔ انسان جب خودی کی معراج پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی زد میں بشری دنیا اور عالم بالا دونوں آجاتے ہیں ۔ وہ کائینات فطرت کے ہر ذرّے کو مسخر کرتا ہے اور اس کے لئے فضا کی راہیں استوار ہوجاتی ہیں ۔ اقبال نے اسی کیفیت کو اس شعر میں سمیٹا ہے

یہ کائینات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

اب تک انسان وجود کی شاہراہوں پر بھٹکا بھٹکا پھرتا تھا ۔ اب قدروں کی روشنی میں وہ مقرر منزل کی جانب قدم اٹھانے لگا ۔ ہر قدم کے ساتھ اس کا یقین اور اس کا اعتماد بڑھتا گیا اور احساس ذات کی مخفی طاقتیں بیدار ہونے لگیں ۔ کائینات کے حیرت خانے میں انسان ایک بڑی حقیقت ہے ۔ فطرت ، حیات ، کائینات

---

1 کلیات اقبال ـــ ص 89 ـــ ناز پبلیشنگ ہاؤس ، پہاڑی بھوجلہ دلی

اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق اقبال کے خیالات واضح ہیں۔ ذیل کے اقتباس سے ان کے نظریات کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔

زندگی کی خصوصیت تفرد ہے۔ عالمگیر
زندگی کوئی حیثیت نہیں رکھتی خدا
خود بھی ایک فرد ہے۔ اگرچہ بکتا ہے
بقول میک ٹگرٹ "کائینات افراد کے
مجموعے سے عبارت ہے" لیکن اس مجموعے
میں جو نظم و ربط اور توافق و تطابق پایا جاتا
ہے وہ بذات کامل اور حتمی نہیں ہے۔ وہ جبلی یا
شعوری مساعی کا نتیجہ ہے۔ ہمارا قدم بتدریجی طور
پر تکمیل کے عمل میں مدد و معاون رہتے ہیں۔ افراد
کائینات کی تعداد معین نہیں ہے۔ ہر روز نئے افراد
کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جو عمل تکمیل میں تعاون کرتے
ہیں۔ غرضکہ کائینات کوئی فعل مختتم نہیں بلکہ ابھی
تکمیل کے مراتب طے کر رہی ہے۔ عملِ تخلیق جاری
ہے اور انسان اس میں شریک ہے وہ جس حد تک کائینات
کے غیر مربوط حصے میں ربط و نظم پیدا کر سکتا ہے اسی

حد تک اس کو تخلیقِ عمل میں مدد و معاون قرار دیا
جا سکتا ہے۔"[1]

اقبال ابتدائی زندگی میں فطرت اور اس کی نیرنگیوں سے گہرے طور پر متاثر رہے اور اس کے اثرات زندگی بھر ان پر قائم رہے۔ تاہم یہ اثر ساری عمر ان کے اوپر قائم رہا۔ گلشن فطرت قدم قدم پر جنت آراستہ کئے ہوئے ہے لیکن اس کے نظارے کے لئے وہ نظر شرط ہے جو نگار خانۂ فطرت کے گوشے گوشے تک جائے اور اسکی دلآویزیوں اور دلکشیوں کو نمایاں کر دے۔ اقبال کا فکر اسی نظر کا خواہاں ہے۔

بہار قافلۂ لالہ ہائے صحرائی
شباب و مستی و ذوق و سرور و رعنائی
اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی
یہ بحرا یہ فلک نیلگوں کی پہنائی!
سفر عروسِ قمر کا عمارئی شب میں
طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ مینائی
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی[2]

---

1. یوسف حسین خان — روح اقبال — ص 356 — ناشر غالب اکیڈمی دلی
2. کلیات اقبال — ص 104 — اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دلی

اقبال کے خیال میں جو شے سب سے پہلے شعور پر اثر انداز ہوتی ہے وہ عالم فطرت ہے ۔ اسکا عکس ذہن میں پختہ نقوش کی صورت اختیار کر لیتا ہے من کی دنیا یا "النفس" اس کے بہت بعد قابو میں آتی ہے ۔ یعنی جب ہم خارجی دنیا کا نظارہ کرتے ہیں جب کہیں نفس کا جائیزہ ممکن ہوتا ہے صحیفۂ فطرت مطالعہ کیلئے موجود ہے اور انسان بھی ابتداء سے اسکی ورق گردانی کرتا چلا آیا ہے ۔ اقبال فطرت کو حسن و خوبی کی تصویر اور عشق کے صحیفہ کی تفسیر خیال کرتے ہیں اور پر اثر الفاظ میں اسکی تاکید کرتے ہیں ۔

بیا با شاہد فطرت نظر باز

چرا در گوشہ خلوت گزینی

ترا حق داد چشمے پاک بینے

کہ از نورش نگاہے آفرینی[1]

اقبال فطرت کی دلربا تبدیلیوں سے بخوبی آگاہ ہیں ، جو اسکی دلکشی کو چار چاند لگاتی ہیں ۔ صبح ہو یا شام ، آندھی ہو یا طوفان ، بہار ہو یا خزاں وہ نہ صرف فطرت کے ان پہلوؤں ہی سے بحث کرتے ہیں بلکہ وہ اس کے غیر ضروری گوشوں کو بھی خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔ فطرت کے نوکیلے کانٹوں کو بھی پیار

---

[1] اقبال ــــ کلیات فارسی ــــ ص 93 ــ نذیر یہ پرنٹنگ پریس دلی

کی لچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں - اور اس کی حنابندی میں ایسی مہارت سے کام لیتے ہیں کہ قاری ان کی فن کاری کی داد دئیے بغیر نہیں رہ سکتا - مرقع نگاری کے جو شاہکار اقبال نے پیش کئے ہیں وہ یا تو نیچرل اور واقعی ہیں یا خیالی نظارہ بندی کا حکم رکھتے ہیں - اقبال جہاں کنار راوی وادئ کشمیر اور کرمک شب تاب جیسی جیتی جاگتی تصویریں کھینچتے ہیں - وہاں عشق ، موت ، محبت اور میلاد آدم جیسے عنوانات سجے کی نظموں سے دلکش خیالی مرقعے بھی سجاتے ہیں - ذیل میں فطرت کے شوخ مرقعوں کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہید ازل لالہ خونین کفن
جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں
فضا نیلی نیلی ، ہوا میں سرود
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور

وہ جوئے کہستاں ، چکتی ہوئی

اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی

اچھلتی ، پھسلتی ، سنبھلتی ہوئی

بڑے پیچ کھاکر نکلتی ہوئی

رکے جب تو سل چیردیتی ہے یہ

پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

ذرا دیکھ اے ساقیٔ لالہ فام

سناتی ہے یہ زندگی کا پیام[1]

"خضر راہ" کے پہلے بند کے یہ اشعار کس قدر اثر انگیز ہیں :

ساحل دریا پہ میں اک رات تھا محو نظر

گوشۂ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب

شب سکوت افزا ، ہوا آسودہ ، دریا نرم سیر

تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب[2]

جب ہم اقبال کی نظم "ایک آرزو" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر دیدۂ بلبل کے کمال کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور ہمیں احساس ہوجاتا ہے کہ نظارے کی خوبی کس قدر دلفریب ہے ۔

---

1. اقبال ــــ کلیات اقبال ــــ ص 414 ـ 415
اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دلی ـ 2

2. ایضاً ص 255

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہاں نما ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دلفریب ایسا کوہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو[1]

اب جب ہم اقبال کے وطن کشمیر کی منظر نگاری اور اس خطہ زمین کے تئیں ان کی وابستگی کا نظارہ کرتے ہیں ۔ تو فارسی میں کشمیر کا مرقع اور منظری خاکہ یوں ملتا ہے :

رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببیں ، لالہ چمن چمن نگر
باد بہار موج موج مرغ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج بر سر نار دن نگر

---

1. اقبال ــــ کلیات اقبال ــــ ص 47 ـ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس

لالہ خاک بردمید موج باآب جو تپید

خاک شور شور بیں - آب شکن شکن نگر[1]

اقبال کی فطرت نگاری کا وہ پہلو بھی قابل توجہ ہے جو ان کے تخیل سے تعلق رکھتا ہے - ظاہر ہے کہ یہاں بھی اقبال نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں - " حقیقت حسن " " محبت " اور " بوئے گل " جیسی نظموں میں تخیل کی نادرہ کاری سے ایک سماں بندھ جاتا ہے - نظم " محبت " میں ابتدائے آفرینش کے وقت نسخۂ محبت کا کیمیا گر کے ہاتھ آنا ، اس کے دلکش اجزا کو ڈھونڈ نا ، پھر اس مرکب کو آب حیات میں گھول کر اجسام پر چھڑکنا اور اس طرح زندگی اور حرکت کا پیدا ہونا ، یہ تمام خیالی واقعات اس خوبی سے قلمبند کئے ہیں کہ داد دئے بغیر نہیں بنتی - اس طرح اقبال کا گل کی پری کو حور کے شیشے میں اتارنا اور اسکی خوشبو کو رمیدہ حور کی آہوں کے سانچے میں ڈھالنا ایک پر کیف خیال بندی ہے - " حقیقت حسن " میں اس راز کو کس خوبی سے زمین پر پہنچایا گیا ہے کہ زوال حسن کی جان ہے اور یہ خیالی مرقع بے حد دلکش ہے -

ابتدائے آفرینش کا دلکش منظر اپنی ایک دوسری نظم " عشق اور موت " میں یوں ترتیب دیا گیا ہے -

---

1/ اقبال ــ کلیات فارسی ــ ص 201 ــ نذیر یہ پرنٹنگ پریس - دلی

سہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی
تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مہر کو تاج زر مل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی
کہیں شاخ ہستی کو لگتے تھے پتے
کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گل کو پہلے پہل رہی تھی[1]

اقبال کی نمایاں خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ فطرت کی خوشہ چینی کرتے ہیں۔ فطرت اسے اپنا مفہوم واضح کرنے کےلئے مثالیں مہیا کرتی ہے۔ فطرت کا مشاہدہ اقبال کو زندگی کے اصول اور نتائج فراہم کرتا ہے مثلاً اقبال جب ٹمٹماتے ہوئے ستارے کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید حسن کے انجام سے لرزتا ہے وہ فی الفور پکار اٹھتے ہیں

---

[1] اقبال ـــــ کلیات اقبال ـــــ ص 57 ـــ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دلی 2

قمر کا خوف نہ ہے خطرۂ سحر تجھکو
مآل حسن کی کیا مل گئی خبر تجھکو
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں [1]

اقبال کو ایک کی بلندی میں دوسرے کی پستی اور ایک کی موت میں دوسرے کی زندگی نظر آتی ہے ۔ اس تضاد اور ردّ عمل سے وہ زندگی کے حقائق دریافت کرتے ہیں اور اس دریافت میں مناظر کا حال احوال بھی سامنے آتا رہتا ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر
فنا کی نیند ہے تیرے لئے زندگی کی مستی ہے
وداع غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے [2]

کلامِ اقبال کی توضیح میں کئی نقادوں نے انھیں فطرت کا پرستار قرار دیا ہے لیکن میرے خیال میں وہ فطرت کے مدّاح تھے ۔ پرستار نہیں ۔ پرستش کا عنصر انگریزی کے رومانوی شعراء کے کلام میں بڑی حد تک دکھائی دیتا ہے ۔ مولانا صلاح الدین احمد نے " اقبال کی صبح و شام " کے زیر عنوان اپنے مضمون میں اس نکتے سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

---

[1] اقبال ۔ کلیاتِ اقبال ص نمبر ۱۱۰ ناشر پبلشنگ ہاؤس دہلی
[2] " " ص نمبر ۱۱۰ - ۱۱۱ "

"اقبال اس معنی میں ایک فطرت پرست شاعر نہیں ہے ۔ جس معنی میں وارڈ سورتھ یا شیلے یا کیٹس فطرت کے پرستار ہیں اور نہ اس نے جمال فطرت کی اس طرح عکاسی کی ہے جس طرح ہمارے ہاں انیس اور جوش نے کی ہے بلکہ وہ فطرت سے آشنائی کے بعد فوراً انسان کی طرف لپٹتا ہے ۔ اور اسکی ہستی اور اسکی مختلف کیفیتوں میں کائینات کو منعکس پاتا ہے ۔ مناظر و مظاہر فطرت سے اس کو ایک بڑی گہری دلچسپی ہے لیکن فقط دلچسپی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔ اسکی وابستگی اور شیفتگی کا مرکز فطرت کا شاہکار خود انسان ہے ۔ اور وہ فطرت کی تمام تر نیرنگیوں اور دلآویزیوں کو اسی ایک نگاہ غلط انداز کا پرتو قرار دیتا ہے لیکن فطرت کے تمام مظاہر میں صبح و شام کی کیفیات و تاثرات کو یہ اعتیاز ضرور حاصل ہے کہ وہ اسکی توجہ پر ایک علاحدہ اور امتیازی حق بھی رکھتے ہیں ۔ سحر اسکی تلاش نور کی ایک یافتِ عظیم اور اسکے تصور زندگی کی تجسیم تام ہے ۔" [1]

---

[1] صلاح الدین احمد ـــ تصورات اقبال ـ ص 251 ـ 252
ایجوکیشنل بک ہاؤس

اقبال کی فطرت نگاری کے سلسلے میں یہ نکتہ اہم ہے کہ وہ مظاہر فطرت کی زبان سے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا احساس دلاتے ہیں ۔ اسے یہ پیغام دیتے ہیں کہ تو "یم بکنار" ہے اور اگر تو اپنی خودی کی تربیت کر کے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دے تو تیرے اندر صفات ایزدی کا عکس پیدا ہوگا اور تو زماں و مکاں پر حکمراں ہوجائے گا اس ضمن میں "سرود انجم" کا آخری بند ملاحظہ کیجئے :

بیش تو نزد ماکمے

سال تو پیش مادمے

اے بکنار تو یمے

ساختۂ بہ شبنمے

مابتلاش عالمے ، می نگریم وی ردیم

کلام اقبال کی یہ خصوصیت مختلف مقامات پر ظاہر ہے کہ وہ فطرت کی زبان سے عمل اور زندگی کا درس دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک لالہ ہو یا گل ، بہار ہو یا خزاں سورج ہو یا چاند ، جگنو ہو یا پروانہ یہ سبھی زندگی کے پیامبر دکھائی دیتے ہیں اس خصوصیت کی جھلک کم و بیش ہر نظم میں موجود ہے ۔ ایک کھلتی ہوئی کلی کی زبان سے زندگی کا کیا ہی خوبصورت پیام ہے :

چہ لذت یار باندر ہست و بود است

دل ہر ذرّہ در جوش نمودہ است

شگافد شاخ را چوں غنچۂ گل

تبسّم ریز از ذوق وجود است [1]

اقبال کو فطرت کے مناظر کی مرقع کشی میں وہ کمال حاصل ہے کہ قاری کی آنکھوں کے سامنے پوری فضا کا سماں بندھ جاتا ہے ۔ وہی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے کہ جسکی وہ فضا حامل ہے اور ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ جیسے ہم اس فضا کا ایک حصہ ہوں ۔ یہاں مثال کے طور پر اقبال کی نظم " ایک شام " ملاحظہ کیجئیے ۔ مذکورہ نظم میں سکون و سکوت کی ایک پر اثر تصویر کھینچی گئی ہے ۔ دریائے نیکر کے کنارے شام ہوجاتی ہے اور ایسی خاموشی چھا جاتی ہے کہ زبان پر آتے ہی ٹوٹنے لگتی ہے ۔

خاموش ہے چاندنی قمر کی

شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی

وادی کے نوا فروش خاموش

کہسار کے سبزہ پوش خاموش

فطرت بے ہوش ہوگئی ہے

آغوش میں شب کے سو گئی ہے

---

[1] اقبال ۔ کلیات اقبال ۔ ص 223 ۔ نزیر یہ پرنٹنگ پریس دلی

کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے
نیکر کا خرام بھی سکون ہے
تاروں کا خموش کارواں ہے
یہ قافلہ بےدرا رواں ہے
خاموش پس کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا
اے دل ا تو بھی خموش ہوجا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا ا [1]

اقبال فطرت کے مطالعے کو ایک قاری کے مطالعے کا حاصل سمجھتا ہے جیسا کہ کئی مقامات پر انھوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ مجھے فطرت کے اوراق نے حقیقت ابدی کو سمجھنے میں بڑی مدد دی ہے ۔ فطرت ان کے نزدیک صرف اشیا اور مناظر کو دیکھنے کا ہی نام نہیں بلکہ ان مناظر کی حقیقت، خصوصیت اور اصلیت کو معلوم کرنے کے پس منظر میں موجود ہے ۔ پھول کو دیکھنا ہی کافی نہیں بلکہ اسے سونگھنا ، اس کی رنگینی پر غور کرنا اور اس کی مہک سے معطر ہونا اس کی حقیقت کو جاننا ہے ۔ چاند کی طرف فقط نظریں دوڑانا شاعر کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ چاند کی چاندنی ، اس کی کرنوں کی سبک خرامی

1/ اقبال ــ کلیات اقبال ــ ص 128 ــ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دلی 2

اور اس کا کھڑکی کے اندر جھانکنا اور بڑے ہی نرم انداز میں سفر کی منزلوں کو طے کرنا شاعر کے نزدیک چاند کی اصلیت کو سمجھنے کے مترادف ہے۔ کوئی دریا کے کنارے پر بے مقصد بیٹھے اس سے اقبال کو کوئی سروکار نہیں۔ وہ لہروں کی طغیانی، موجوں کی گھن گرج، پانی کی رفتار اور پانی سے وابستہ خصوصیات پر نظر ڈالتے ہیں اور یہ شاعر کے نزدیک دریا کی حقیقت کو جاننا ہے۔ غرض پھول ہو یا صحرا، چاند ہو یا دریا، سبزہ ہو یا شبنم وہ ہر شئے کی حقیقت کو جاننے کے متلاشی ہیں۔ اور اقبال ساری زندگی حقیقت ازلی کی تلاش میں سرگرداں رہے انہوں نے خود کو ایک جگہ "شہید جستجو" کہا ہے۔ وہ شالیمار کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ یہ خلوت کا ایک ایسا شاہکار ہے جس سے فطرت کے شیدائی کا دل خوب لطف اندوز ہوجاتا ہے اور یہ چیز شاعر کو کسی بازار کی چہل پہل میں نظر نہیں آتی۔ بہار کا موسم زندگی اور تازگی بخشتا ہے۔ بہار میں زمین کے اندر زندگی اور روئیدگی آجاتی ہے۔ پرندے بانت بانت کی بولیاں بولنے لگتے ہیں۔ کسان کھیتوں کی طرف نکل پڑتے ہیں تاکہ فصل اگانے اور اپنے لئے روزگار پیدا کرنے کی جہد کریں۔ اقبال بہار کا یہی منظر اپنی ایک طویل فارسی نظم "فصل بہار" میں بڑے دلنشین انداز میں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں نمونتاً چند بند نقل کئے جاتے ہیں:

خیز که در کوه و دشت خیمه زد ابر بهار
مست ترنم هزار ، طوطی و درّاج و سار
بر طرف جوئبار
کشت گل و لاله زار ، چشم تماشا بیار
خیز که در کوه و دشت خیمه زد ابر بهار[1]

بلبلگاں در صقیر صلصلگاں در خروش
خون چمن گرم جوش اے که نشینی خموش
در شکن آئینه هوش - بادۂ معنی بنوش
نغمه سرا گل بپوش
بلبلگاں در صفیر صلصلگاں در خروش[2]

دیدۂ معنی کشا اے زعیان بے خبر
لاله کمر در کمر ، نیمۂ آتش به سر
می چکدش به جگر شبنم اشک سحر
در شفق انجم نگر[3]

---

1. اقبال کلیات فارسی ص ۱۸۵ مطبوعہ نذیریہ پرنٹنگ پریس دہلی
2. اقبال ـــ کلیات فارسی ـ ص 185/ مطبوعه نذیریه پرنٹنگ پریس دلی
3. اقبال کلیات فارسی ص ۱۸۵ مطبوعہ نذیریہ پرنٹنگ پریس دہلی

اقبال نے فطرت کی متنوع اشیاء اور مظاہر کو مجسّم کر کے ان سے گفتگو کی ہے ۔ انھوں نے بے جان چیزوں کو جاندار تصور کر لیا ہے ۔ اور بے زبان اشیاء کو قوت گویائی عطا کی ہے ۔ اقبال کے یہاں اس قسم کی نظموں کی تعداد کافی ہے ۔ فطرت نگاری کے سلسلے میں زیادہ تر انکی نظمیں ایسی ہیں جن میں یا تو انھوں نے بے جان چیزوں کو جاندار تصور کر کے ان سے تخاطب کیا ہے یا انھوں نے بے نطق چیز کو ناطق تصور کر کے اسکی زبان سے کسی فلسفیانہ نکتہ کچی تشریح کی ہے اور بعض نظمیں ایسی بھی ہیں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دونوں بے جان چیزیں جاندار بن کر آپس میں گفتگو کر رہی ہیں اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر کلیم الدین احمد نے لکھا ہے :

"اس راہ سے اقبال دوسری راہ نکالتے ہیں ۔ ابر ، چاند تارے کی زبانی اخلاق یا فلسفیانہ مضامین بیان کرتے ہیں یا ابر ، چاند ، تارے میں جان ڈال کر ان کے فرضی جذبات کو شاعری کے سانچے میں ڈھالتے ہیں ۔ " شعاع آفتاب" " شبنم اور تارے " " بزم انجم" "ستارہ" چاند اور تارے پہلی قسم کی نظمیں ہیں ۔ ہر نظم میں کسی خیال کو شاعرانہ ڈھنگ میں بیان کیا گیا ہے ۔[1]

---

[1] کلیم الدین احمد ـــ اردو شاعری پر ایک نظر ـــ حصہ دوم ـــ ص 44

اقبال کی منظر نگاری اور فطرت پسندی کی یہ ایک اور نمایاں صفت ہے کہ وہ بے جان اشیاء میں جان ڈال کر فلسفیانہ نکات کی طرف ہماری توجہ مرکوز کرتے ہیں ۔ ان کی اس قسم کی نظمیں بہت حسین ہیں ۔ مثال کے طور پر " آفتاب صبح " میں اقبال نے آفتاب کو ذی روح تصور کر لیا ہے اور اس سے اس طرح گفتگو کی ہے جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بات کرتا ہے ۔ آفتاب کی خوبیاں ابتدائی بندوں میں یوں بیان کرتے ہیں ۔

شورش میخانۂ انساں سے بالاتر ہے تو
زینت بزم فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو
ہو در گوش عروس صبح وہ گوہر ہے تو
جس پہ سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو
صفحۂ ایام سے داغ مداد شب مٹا
آسماں سے نقش باطل کی طرح کوکب مٹا
شوق آزادی کے دنیا میں نہ نکلے حوصلے
زندگی بھر قید زنجیر تعلّق میں رہے
زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لئے
آرزو ہے کچھ اسی چشم تماشا کی مجھے
آنکھ میری اور کے غم میں جو سرشک آباد ہو
امتیاز ملّت و آئین سے دل آزاد ہو [1]

---

1. اقبال ـــ کلّیات اقبال ـــ ص 48 ـ 49

بظاہر یہ خطاب سورج سے ہے مگر اس میں اس آفاقی تعلیم کی طرف اشارہ ہے جو اسلام نے دنیا کو دی ہے - سورج کی نظر میں " زیر و بالا " ایک ہیں - وہ ہر جگہ یکساں چمکتا ہے اور ہر ملک میں اپنی روشنی پھیلاتا ہے اس طرح سے اقبال کی خواہش ہے کہ وہ بھی امتیاز ملّت و آئین کے پردے چاک کر ڈالیں اور پوری انسانی دنیا کی بہبودی کے لئے کوشش کریں -

مجنون گورکھپوری نے اقبال کی فطرت پسندی ، ماہ و انجم سے بے پناہ وارفتگی اور محویت کو " فراریت کی علامت " سے تعبیر کیا ہے مجنون صاحب لکھتے ہیں :

> " ان کو ہمارے کرۂ ارض سے زیادہ خورشید و ماہ ، انجم و کہکشاں سے محبت معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے خیال میں ستاروں سے آگے کی آبادیوں میں کھوئے رہتے ہیں ، مگر اس دنیا کے امتحانات میں پورا اترنے سے پہلے ماورائے انجم و ماہ میں پہنچ جانا ایک قسم کی فراریت (Escapism) ہے جو اقبال جیسے فکر و عمل کے شاعر کے لئے زیبا نہیں "[1]

حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال کا اصل مدعا فضائے بسیط کی سیر ، ماہ انجم اور ان کے حسن کی تعریف نہیں بلکہ وہ ماہ و انجم کی مدد سے فلسفۂ حیات

---

[1]

پیش کرنا چاہتے ہیں ان کے ذریعہ سے اپنے پیغام ، فکر اور فلسفہ کو انسان تک پہنچانا چاہتے ہیں ۔ اس لئے ان کا اصل مرکز کرۂ ارض اور اس پر بسنے والا انسان ہی ہے ۔

اقبال پھول سے بھی خطاب کرتے ہیں مگر پھول کی نزاکت ، لطافت رنگینی اور رعنائی ان کے دل میں اضطراب پیدا نہیں کرتے بلکہ پھول کو دیکھکر ان کے دل میں فلسفیانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ علّامہ نے فطرت کی اشیاء اور فطرت کے افراد کو حکیمانہ زبان عطا کی ہے ۔ ان سے خطاب کر کے ان کی زبان سے زندگی کے گہرے مسائل کی ترجمانی کرائی ہے ۔ یہ اشیاء اور افراد اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے بلکہ جو کچھ اقبال کہلوانا چاہتے ہیں وہی یہ اشیاء کہتی ہیں ۔ مناظر فطرت کو قوت گویائی عطا کرنا اقبال ہی کا کارنامہ ہے ۔

اردو شاعری میں منظر نگاری کے اگرچہ بیش بہا نمونے ملتے ہیں تاہم اقبال کے ابتدائی کلام میں بالخصوص اور بقیہ کلام میں بالعموم مناظر فطرت کی عکاسی بڑے دلنشین اور فلسفیانہ انداز میں کی گئی ہے ۔ اقبال کے کلام کا ہر گوشہ صداقتوں اور ابدی حقیقتوں کا آئینہ دار ہے ، چنانچہ فطرت نگاری کے پیچھے بھی یہی جذبہ ان کے یہاں کارفرما ہے کہ فطرت کے شب و روز کا مطالعہ کیا جائے ، اس کے قریب جاکر زندگی کی حقیقت کا ادراک حاصل کیا جائے اور انسان فطرت کو معلوم اور محسوس کر کے اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرے ۔